اختر و اقبال

یعنی

تضمین بر کلام اقبال

مصنفہ

خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن، مجاہدۂ اسلام سیدہ اختر

بہ اہتمام

منیجر زہرۂ سخن اکاڈمی، فردوسِ اختر، ٹیکا پور، کان پور

منیجر زہرۂ سخن اکاڈمی، سبزہ زارِ اختر، السور، بنگلور

۱۹۴۸ء

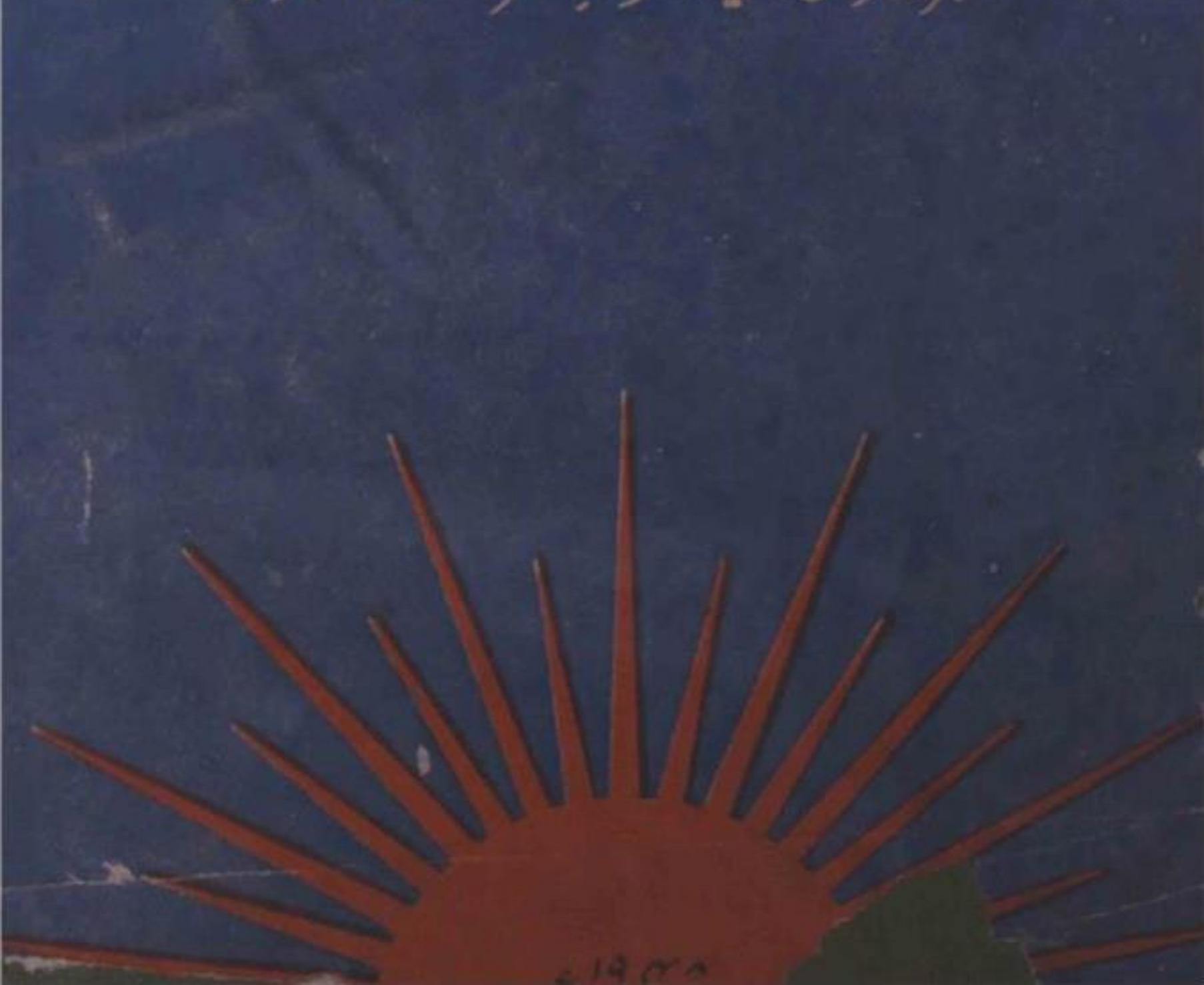

اختر و اقبال ہے
دیکھنے والوں سے اک ایک استفسار ہے
کہیں اتحادِ موج و ساحل دیکھنے والے؟
سیدہ اختر
(۲۳-۵-۶۷ء)

اختر اقبال

یعنی

علامہ اقبال مرحوم کے کلام پر

چند تضمینیں

خطیبۂ ہند "سیدہ اختر"
کے قلم سے

"سرِ راہے"

غالب نے سچ کہا ہے ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

"اختر و اقبال" کا مطالعہ اہلِ نظر کے لئے ناگزیر ہے کیونکہ "کلامِ اقبال" اپنے اندر لاانتہا بصیرتیں اور رہنمائیاں رکھتا ہے۔ غالب علیہ الرحمہ کا مندرجۂ بالا شعر پڑھئے اور ——— اسی کے ساتھ اپنے ضمیر و ایمان کو زندہ رکھنے کے لئے یہ شعر ہمیشہ وردِ زبان رکھئے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا (مولانا ظفر علی خاں)

سیدہ اختر

علامہ اقبال مرحوم

فہرست

عنوان	مصرع	صفحہ
سرِ راہ	سیدہ اختر	۲
ناہیدِ سخن	جوشؔ ملیح آبادی	۷
کلامِ اختر	جگرؔ مراد آبادی	۹
کلامِ اختر کی روانی و سادگی	ماہرؔ القادری	۱۴
زمانۂ حاضر کی بہترین شاعرہ	دورؔ ہاشمی	۱۶
زہرۂ سخن	سیمابؔ اکبر آبادی	۱۷
پیش لفظ	نیازؔ فتحپوری	۱۹
مناجات	چمن کا دیوانہ حادثاتِ خزاں کے صدمات سہ رہا تھا	۲۱
آہ دلی	داستانِ عظمتِ اسلام یاں خوابیدہ ہے	۲۳
نازو نیاز	لٹا کے سرمایۂ خودی کو زمانے میں سرفراز ہو جا	۲۴
تمنائے انجم	غیر ممکن ہے بلندیِ نظر کو چھوڑ دوں	۲۶
اختر و اقبال	یہ مانا یوں تو ہے ساری زمیں سارا جہاں اپنا	۲۸

عنوان	مصرع	صفحہ
بارگاہ شہود	خبر نہیں ترے آہن پہ چڑھ گیا کیوں زنگ	۳۰
نور مطلق	ذرہ با دا کر کنوں دیدہ درے پیدا شد	۳۲
مجذوبات شیخ	کہتے ہیں کچھ، یہ عہد فقط زیر و بم کا ہے	۳۴
حرم و دیر	خدارا کھے جمالِ عارضِ جاناں کی زیبائی	۳۷
گدازِ دل	جس میں نہ ہو گداز تو وہ دل نہ کر قبول	۳۹
نغمۂ داؤد	یہ کس نے آج سجائی ہے بارگاہ وجود	۴۱
نغمہ ہائے الست	یہ آج چھیڑ دیئے کس نے نغمہ ہائے الست	۴۳
زخم کرم	تجھ سے زیادہ رفرداں کون ہو یاں سخن سرا	۴۵
مرگِ خودی	خودی کی موت سے اخلاق کا ہو شیشہ چور	۴۷
شکر و قند	یوں تو نظر آتے ہیں پرستار خدا بھی	۵۰
مناصب حیات	اب اس کے ساز میں باقی نہیں کوئی آہنگ	۵۱
سحر	یہ سحر جس کا ہر اک لمحہ ہے رشکِ نوروز	۵۲
صبح کا تارا	اسی نگہ کو میسر ہے حق کا نظارہ	۵۳
حکومت	دیں کو اپنے نہ کبھی اٹھ کے سنوارا لیکن	۵۵

عنوان	مصرع	صفحہ
علم و دین	نہ پوچھ مدرسہ و خانقاہ کی تعلیم	۵۶
پیرِ حرم سے	دیکھو جسے لیلائے فرنگی کا ہے مجنوں	۵۸
اشارۂ فطرت	یہ ہر ایک لحظہ فطرت تجھے کرتی ہے اشارہ	۶۰
کارگہِ شیشہ گراں	شمع پر جل بجھا پروانہ پر اٹھا نہ دھواں	۶۲
قندِ مکرر	اک رازِ محبت تھا جو کہہ گیا دیوانہ	۶۴
روحِ قرآنی	وہی جو رکھتا ہے بادہ نہ جام رکھتا ہے	۶۵
فکرِ راہ	نہیں طلب ہی تجھے فکرِ راہ کیوں ہوتی	۶۷
نوائے سوز	بتاؤں کیا کہ مسلط ہی مجھ پہ کوہِ غم	۶۸
مرغِ نواطراز	اے کہ حیات بخش ہی میرے لئے تری صدا	۶۹
شاعر اور حور	مری سمت کیوں نہیں ہو ترا التفات شاعر	۷۱
نئے دور کا آغاز	اوروں کی طرح میں بھی ہوں گمراہ و لیکن	۷۴
سیدہ اختر و اقبال	تجسس کے رنگیں نشاں اور بھی ہیں	۷۵
فرمانِ ابلیس	لاؤ ہر ایک جلوہ کو ظلمت کے بیچ میں	۷۷
ماہِ تمام	کیا کہوں تجھ سے کہ کیا ہے مرے دل کا عالم	۷۹

خطیبۂ ہند — سیدہ اختر

ناہید سخن

خطیبۂ ہند، ناہیدۂ سخن سیدہ اختر صدر آل انڈیا زنانہ مسلم لیگ کو میں اُن کے بچپن سے جانتا ہوں۔ اور میں اُن کا ایک دیرینہ نیاز مند ہوں اور ان کو اس زمانے سے جانتا ہوں جب وہ ادب کے اُفق پر ستارہ بن کر طلوع نہیں ہوئی تھیں۔

اختر کے اندر ایک ایسی بیتاب رُوح کارفرما ہے جو عورتوں میں تو کیا ہزاروں مردوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اور ان کے جذبات اس قدر تند و تیز ہیں کہ معلوم ہوتا ہے "نپولین" کی رُوح اُن کے اندر حلول کیے ہوئے ہے۔

وہ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ "قومی خدمات" کا بھی شدید جذبہ رکھتی ہیں۔ اور جب کسی کام کا بیڑا اٹھاتی ہیں تو اُسے انجام دیے بغیر دم نہیں لیتیں۔ ایک عورت ہو کر وہ خدمتِ خلق کے معاملات میں شدید سی

شدید محنت کرتی ہیں لیکن تھکتی نہیں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔

اختر صاحبہ کی شاعری میں تصنع مطلق نہیں پایا جاتا۔ وہ جو کچھ بھی محسوس کرتی ہیں اُسی کو شعر کا پیکر دیدیتی ہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ غزل کہتے ہیں وہ نظم نہیں کہہ سکتے اور جو نظم پر قادر ہوتے ہیں انھیں نثر پر قدرت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اختر صاحبہ غزل نظم اور نثر ان تینوں اصناف پر قادر ہیں اسی کے ساتھ ساتھ ایک خاص دلکش اور کام کی صفت اُن میں اور بھی ہے یعنی وہ ایک نہایت شیریں بیان اور جذبات انگیز خطیبہ بھی ہیں اور خطابت کے وقت اُن کے الفاظ کی روانی، چہرے کی شگفتگی، آنکھوں کی شعلہ پرور چمک اور لہجہ کا پرجوش بہاؤ سامعین کو ایک دوسرے عالم میں لے جاتا ہے۔

موصوفہ کا دلکش کلام "سیدہ اختر و اقبال" (تضمین بر کلامِ اقبال) آپ کے سامنے ہے۔ اِسے ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ اِس شاعرۂ نادرہ گفتار کے قلم نے رنگینیوں اور لطافتوں کے کیسے دریا بہائے ہیں۔ اور اختر کے سینے میں کتنے جواہر جگمگا رہے ہیں مجھے قوی اُمید ہے کہ ہندوستان کے اربابِ ادب اس صحیفۂ درخشاں کو سر آنکھوں پر لیں گے۔ اور اُن کے آسمانِ شاعری پر یہ نجمِ درخشاں جو طلوع ہوا ہے اس کے نظارے سے اپنی آنکھوں کو روشن کریں گے

جوشؔ (ملیح آبادی) بصد ہزار عجلت

"کلام اختر"

موجودہ اُردو شعر و ادب نہایت ہی نازک دَور سے گذر رہا ہے۔ مغربی استیلاء تسلّط نے ہماری داخلی شاعری کا رُخ قطعاً یا زیادہ سے زیادہ خارجی شاعری کی جانب پھیر دیا ہے۔ کتنی ہی عمدہ حُسن کی شرح و تفصیل کرتے جائیے، حُسن باقی نہیں رہے گا۔ اِسی لئے اشارہ و کِنایہ شعر کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ جب کوئی قوم اپنی خصوصیات سے اِبا کرنے لگے اور دوسری اقوام کی اندھا دُھند تقلید تو اندازہ کیجئے کہ وہ قوم ہلاکت کی طرف جا رہی ہے یا زندگی کی جانب؟

یاد رکھئے! آپ کی زندگی آپ کی خصوصیاتِ مِلّی و ملکی میں ہے نہ کہ تقلید و تائید میں ایک بین الاقوامی کریٹک بہت آسانی کے ساتھ آپ کے شعر و ادب کا تجزیہ کر کے بتا دے گا کہ آپ کے شعر و ادب میں کہاں تک آپ کی انفرادیت ہے اور کہاں تک دوسروں کی۔ آپ کا شعر و ادب زبان کے اعتبار سے آپ کا سہی لیکن اندازِ بیان، خیالات و جذبات کے اعتبار سے آپ کا نہیں بلکہ اُس قوم یا اقوام کا ہے جن کے آپ "ہز ماسٹرس وائس" بنے ہوئے ہیں یا بنتے جا رہے ہیں۔

ہماری جماعتِ ناقدین کو بیحد وسعتِ فکر و نظر کے ساتھ گرم و سرد ممالک

کے اثرات کے ماتحت مشرقی و مغربی شعرا کا مزاج دریافت کرنا چاہیئے! اور شعر و ادب کے متعلق ایک صراطِ مستقیم قوم و ملک کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ یہاں یہ موقع نہیں کہ زیادہ تحلیل و تفصیل سے بحث کی جائے۔

اس قدر اجمال و تفصیل یا تمہید کے بعد اصل موضوع یعنی خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن سیدہ نواب سردار بیگم صاحب اختر کے متعلق کچھ کہنا ہے۔

شعر حقیقتاً شاعر کی ظاہر و باطن صورت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اگر آپ دیکھ سکتے ہیں تو اس آئینہ میں شاعر کا ایک ایک خدوخال واضح طور پر نظر آجائے گا۔ تمام ادبی دنیا میں عام طور پر یوپی کی دنیا میں خاص طور پر بیگم صاحبہ سیدہ اختر کی شخصیت نہایت درجہ نمایاں اور باوقعت ہے۔ آپ کی سیاسی۔ ادبی۔ مذہبی اور قومی سرگرمیاں شاہد ہیں کہ آپ نے ہر موقع پر ایک غیر فانی شجاعت، غیرت، بہادری، خودداری کا ثبوت دیا ہے جو قابلِ تحسین و آفریں ہی نہیں، قابلِ رشک بھی ہے موصوفہ نہایت ہی شریف نڈر۔ پاکیزہ اخلاق، باعصمت خاتون ہیں۔ گویا صحیح معنوں میں "مشرقی خاتون"۔

شعر و ادب کی تعریف میں دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ اور پھر بھی شعر و ادب اپنی جگہ اسی طرح تشنۂ تعریف ہے

"گشت رازِ دگراں راز کہ افشا می کرد"

ردو قبول کا معیار طلسمِ وہم سے زیادہ کچھ نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا بہ امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بُولہبی

نور و ظلمت اعتباری سہی لیکن اس میں تو شک نہیں کہ یہ وہم یا اعتبار یا اعتبارِ وہم ہی ہے جس نے ایک کائناتِ حسن و جمال ہمارے سامنے لا کر کھڑی کر دی ہے۔ رد و قبول کا معیار بھی اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ظلمت و نور کی تقسیم!

میں صنفِ نازک کو شاعر کے لباس میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ وہ خود ایک شعرِ مجسم ہے، ایک نغمۂ سراپا۔ اس کی شعریت جسے حقیقت میں شعریت کہا جاتا ہے اس کی عظمت و پاکیزگی میں ہے حسن عبارت ہے تناسبِ اعضا سے لیکن اگر تناسبِ باطنی بھی شامل ہو جائے تو یہ ایک ایسی قوت بن سکتا ہے جس سے اگر صحیح معنوں میں کام لیا جائے تو دنیا زیر و زبر ہو سکتی ہے صنفِ نازک کی مثال ایک نہایت ہی نازک پھول سے دی جا سکتی ہے اگر آپ اس کی حیاتِ جمال تا دیر دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ اسے چھوئیے نہیں۔ اسے زیادہ گہری نگاہوں سے نہ دیکھئے ورنہ وہ جلد اپنی عمرِ طبعی کھو بیٹھے گی اور اس وقت آپ یا تو ایک بوالہوس کی طرح اس کے اوراقِ پریشاں کو پامال کرتے ہوئے گذر جائیں گے۔ یا پھر آپ کو تمام زندگی قدرت کے ایک عطیہ یعنی مسرت سے کنارہ کش ہو کر اس کے

دوسرے عطیہ غم ہی تک محدود رہ جانا پڑے گا۔ عورت، شعر و نغمہ کی قوتوں کا مقابلہ کرنے میں اکثر و بیشتر اپنی خصوصیات کو بھول بیٹھتی ہے؛ بجز استثناء کے بہت کم مثالیں ایسی مل سکیں گی کہ عورت شاعرہ یا مغنیہ بن کر اپنی حقیقی شرافت و عظمت، عصمت و حرارت کو برقرار رکھ سکے۔

جہاں تک مجھے علم ہے خطیبۂ ہند زہرۂ سخن سیدہ اختر اُن مغتنم ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے مغربی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود مشرقی خصوصیات کو اپنی جگہ قائم و دائم رکھا۔ میں نے اختر صاحبہ کو دیکھا ہے اور انھیں جانتا ہوں، انھیں کی زبانی اُن کے اشعار اُن کے مضامین تازہ بتازہ اکثر مشاعروں اور کانفرنسوں میں سنے ہیں۔ میں اپنے پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ موصوفہ نہایت درجہ پاک طبیعت و استعداد لیکر آئی ہیں۔ موصوفہ نہ صرف نظم نگاری و غزل گوئی پر پوری قدرت رکھتی ہیں بلکہ نثر میں بھی ان کے مضامین کا معیار فکر و نظر بہت بلند اور وسیع ہے۔ وہ صرف قافیہ اور ردیف کی تعریف نہیں کرتیں بلکہ حقیقتاً وارداتِ قلبیہ ہوتی ہیں جو قوائے شعریہ سے متصل ہو کر از خود صورت شعری اختیار کر لیتی ہیں۔

دورِ حاضرہ میں شعرا کی بہتات وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ متدیوں کو چھوڑ کر اساتذہ کی زندگی اور ان کے شعر و ادب کو جانچئے! آپ کو شاید ہی کچھ حضرات ایسے

مل سکیں گے جن کی زندگی اور جن کے شعر و ادب میں کوئی تناقص اور تضاد نہ پایا جائے! اختر صاحبہ کے لئے یہ شرف کچھ کم نہیں کہ اُن کی زندگی اور اُن کے شعر و ادب میں بڑی حد تک یکرنگی و ہم آہنگی پائی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ زندگی ہی زندگی پیدا کر سکتی ہے اگر شاعر کے شعر و ادب میں شاعر کی زندگی موجود ہو تو وہ کبھی فنا نہ ہو سکیں گے اور اگر ایسا نہیں تو ممکن ہے محض کمال کی بنا پر کچھ خصوصیات باقی رہ جائیں۔ ورنہ حقیقت میں جس کا نام زندگی ہے وہ کہاں۔ ؟

"سیدہ اختر و اقبال" (تضمین بر کلامِ اقبال) آپ کے سامنے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اُن کے کلام سے میرے بیان کی خود ہی تصدیق کر لیں گے۔ میں شعر و ادب کو نقد و نظر کے ماتحت نہ مجروح کر سکتا ہوں اور نہ دیکھ سکتا ہوں ورنہ موصوفہ کے اشعار کی خصوصیات نمایاں کر کے ثابت کرتا کہ اُن کا درجہ شعر و ادب میں کس قدر بلند ہے؟ .. ..

مخلص

جگر مراد آبادی

کلام اختر کی روانی و سادگی

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے بات چیت کرنے کے ہیں۔ اس لئے تمام اصناف سخن کے مقابلہ میں غزل زیادہ لطیف اور نرم و نازک جذبات کی حامل ہوتی ہے لیکن اس غزل کی بے پناہی اور قیامت آفرینی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ جو خود صنف نازک کے جذبات و محسوسات کی ترجمان ہو......

علامہ شبلی نعمانی نے عورت کو چہرہ کائنات کا غازہ اور آب و رنگ کہا ہے، تو اسی آب و رنگ کائنات کی طرف سے جب یہ کہا جائے کہ

رودادِ غم بیان تو کیا کر رہی ہوں میں؟
اک فرضِ ناگوار ادا کر رہی ہوں میں! (اختر)

تو اس اثر انگیزی کی بھلا کوئی حد بندی ہو سکتی ہے؟

محترمہ خطیبۂ ہند، زہرہ سخن سیدہ سردار بیگم اختر کو کون نہیں جانتا تمام ہندوستان میں اخباروں اور رسالوں کے اوراق سے لے کر جلسوں اور کانفرنسوں کے پلیٹ فارموں تک اُن کی خطابت و سخن سنجی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ وہ بیک وقت آتش بیان مقررہ بھی ہیں، ڈسپلن قائم رکھنے والی کمانڈر بھی۔ شیریں مقال

شاعرہ بھی شعلہ و شبنم کی یکجائی — پھولوں اور انگاروں کا اجتماع

خصوصیاتِ کلام، اختر صاحبہ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ترنّم روانی اور سادگی ہے۔ وہ شعر کو فیثا غورث کا نظریہ نہیں بناتیں سیدھی سادھی بات کہتی ہیں جو اندازِ بیان کی پاکیزگی اور دلکشی کے بعد سحرِ حلال بن جاتی ہے۔

اختر کی غزل میں جدید تغزل کے قریب قریب تمام رجحانات پائے جاتے ہیں۔ الفاظ کو اپنے محل اور موقع سے برتنے کا بھی اُن کو سلیقہ ہے۔ مفہوم ادا کرنے پر اُن کو پوری قدرت حاصل ہے۔ اور قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ اِس دَور کے بے راہرو شاعروں کی طرح نامانوس، مغلق، خود تراشیدہ ترکیبوں سے ان کی غزلیں پاک ہوتی ہیں

ماہر القادری

زمانۂ حال کی بہترین شاعرہ

خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن سیدہ اختر میری قومی بہن ہیں اور ملک و قوم کی یادگار محسنہ اور خادمہ۔

بھائی اگر بہن کی جائز تعریف بھی کرے تو دنیا اُسے جانبداری سمجھے گی، اس لئے ایک بھائی اپنی بہن کی عظمت کے لئے صرف اتنا کہنا چاہتا ہے۔۔۔ ع

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

اختر و اقبال آپ کے زیرِ نظر ہے۔ جوش ملیح آبادی کا ساغر جگر مرادآبادی کا پیمانہ اور ماہر القادری حیدرآبادی کا جرعۂ رنگیں پئیں اور پینے کے بعد ایمانداری کے بعد دور کے اس فیصلہ کی تائید فرمائیں کہ سیدہ اختر زمانۂ حاضر کی بہترین شاعرہ، ادیبہ اور مقررہ ہیں۔؟

دور ہاشمی

زُہرہ سخن

آل انڈیا اُردو کانفرنس و مشاعرہ منعقدہ شہر بنگلور کے موقع پر بتاریخ ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء علامہ سیماب فرماتے ہیں۔

خواتین و حضرات!

اس سے پہلے کہ مشاعرہ شروع ہو میں ایک مجلسی فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آج دن کو جو لوگ اُردو کانفرنس کے جلسہ میں موجود تھے انھیں معلوم ہے کہ اُردو کانفرنس نے کیسے کیسے ماحول کو جگمگا دینے والے اور جنوبی ہند میں آفتابِ اُردو کی عالم افروز شعاعیں پھیلانے والے رزولیوشن پاس کئے ہیں۔ جو تمام جنوبی ہند کے لئے عموماً اور بنگلور کے لئے خصوصاً نئی بیداریوں اور نئے اُجالوں کے ضامن ہیں۔

یہ سب کچھ خطیبۂ ہند سیدہ اختر صاحبہ کی مساعی جمیلہ اور لطیف الخیالی کا نتیجہ ہے۔ اور جس میں اُن کے ایثارِ مجسم شوہر خان بہادر عبدالغنی مالکِ فرم شمس الدین اینڈ سنس رئیس اعظم نصیر آباد نے تقریباً اٹھارہ ہزار روپے صرف

کر کے اُردو نوازی کا ثبوت دے کر ہندوستان پر احسان کیا۔

اگر میں ریاستِ میسور کا فرمانروا ہوتا تو آج اختر صاحبہ کو اپنی حکومت کی طرف سے کوئی سرکاری خطاب دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔

لہٰذا میں ایک خادم ادب اور شاعر ہونے کی حیثیت سے تمام اراکین و شرکاء کانفرنس کی خوشی سے اس بھری محفل میں سیدہ اختر صاحبہ کو زہرہ سخن کا تابناک خطاب دیتا ہوں جس کی وہ حقیقی معنوں میں مستحق ہیں۔

اُمید ہے کہ خطیۂ ہند اس ہدیۂ درخشاں کو دنیائے ادب کی جانب سے قبول فرمائیں گی۔

سیماب اکبرآبادی

پیش لفظ

یہ اوراق سیدہ اختر کے اُن افکار کے حامل ہیں کہ اگر ان کی معنویت کو سامنے رکھ کر کوئی شخص ان پر کاربند ہو تو وہ خود بھی سیدہ اختر کی طرح اپنے سینہ کو جوشِ اسلام سے معمور پا سکتا ہے۔

اقبال کا کلام اور خطیبۂ ہند کی تضمینیں! "سونے پر سہاگہ"، شائد ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔

نیاز فتحپوری

۳۰ر نومبر ۴۷ء

مناجات

چمن کا دیوانہ حادثاتِ خزاں کے صدمات سہ رہا تھا
وہی دل از بس ملول تھا جو نشاط کا جلوہ گہ رہا تھا
عرق جبیں پر تھا اور آنکھوں سے اس کی خونناب بہ رہا تھا
کل ایک شوریدہ خوابگاہِ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا

کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

یہ خوش کلامی، یہ خوش نگاہی مگر ہیں مکر و فریب سارے
کریں گے کیا رہبری کسی کی جو آپ ہیں گمرہی کے مارے
یہ ناخدا ہیں خدائے باطل، لگائیں گے ناؤ کیا کنارے
یہ زائرانِ حریم مغرب، ہزار رہبر نہیں ہمارے

ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

جو راہبر خود ہوں مست و بیخود قدم نہ کیوں اپنا ڈگمگائے
جو رہنما آپ ہی غلط ہوں تو کون پائے طلب بڑھائے

میں پوچھتی ہوں کہ ان کو آخر کہاں تلک کوئی آزمائے

غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں، خدا تری قوم کو بچائے

بگاڑ کر تیرے مسلموں کو بنائے ملّت مٹا رہے ہیں

فضا ہی کچھ اور ہو گئی ہے، ہوا ہی کچھ اور چل گئی ہے

خراب تر ہے، مگر سمجھتے ہیں دل کی حالت سنبھل گئی ہے

زباں سے اقبالؔ آپ کے کیوں یہ بات آخر نکل گئی ہے

سُنے گا اقبالؔ کون ان کو کہ انجمن ہی بدل گئی ہے

نئے زمانہ میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

آہ، دِلّی!

داستانِ عظمتِ اسلام یاں خوابیدہ ہے شوکتِ سلطانیٔ مغلیہ آرامیدہ ہے
خاک اس کی وجہِ تسکینِ دلِ رنجیدہ ہے سرزمینِ دِلّی مسجودِ دلِ غمدیدہ ہے
ذرہ ذرہ میں لہو اسلاف کا پوشیدہ ہے

ہو نہیں سکتی غرض اس سی کوئی بہتر زمیں ایسی جاں پرور زمیں ایسی بہار آور زمیں
چرخ کو رشک آئے، ایسی دلکش خاور زمیں پاک اس اجڑے گلستاں کی نہو کیونکر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں

اس گلستاں میں کھلے کیا کیا نہ گلہائے بہا سرمد و دارا و عالمگیر جیسے ذی وقار
اس زمیں پر کیوں نہ اختر جان و دل کردوں نثار سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

رہروِ منزل نہیں بھولا ابھی منزل کی یاد موجِ آوارہ کو یعنی اب بھی ہے ساحل کی یاد
بھول جاؤں کیسے اختر جلوۂ کامل کی یاد دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیٔ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ناز و نیاز

لٹا کے سرمایۂ خودی کو زمانے میں سرفراز ہو جا
قتیلِ تیغِ نگاہ بن جا، شہیدِ حسنِ مجاز ہو جا
اُٹھ اے حریصِ غمِ محبت، ہمہ غمِ جانگداز ہو جا
سُن اے طلبگارِ دردِ پہلو، میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہو جا

زوال تجھ کو ہوا ہے اختر خود اپنے احساس کمتری سے
وگرنہ تاریخِ رفتہ تیری بھری ہے اقدامِ برتری سے
اُلٹ بھی دے اپنی آستیں کو تو کام لے اب قلندری سے
نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمال، شانِ سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینہ میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

ترے ہی اعمالِ سیئہ کا نتیجہ ہے یہ زوال تیرا
نہ تھا کبھی ایسا خوار پہلے، نہ تھا زبوں ایسا حال تیرا

اگر تو چاہے تو لوٹ سکتا ہے اب بھی جاہ و جلال تیرا
غرض کہ پیکارِ زندگی سے کمال پائے ھلال تیرا
جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو ادا مثالِ نماز ہو جا

اگر تو آمادۂ جنوں ہے تو چیز کچھ بھی نہیں اسیری
خزانے سارے جہاں کے جھولی میں بھر لے اپنی تری فقیری
گدائے میخانۂ عمل بن تو دیکھ پھر اپنی تو امیری
نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفورِ گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

نہ راستی کی طلب ہے ان کو نہ راہِ حقانیت کے جویا
ہمیں یہ کیا دیں گے خود انھوں نے ہی دولتیں سو ہاتھ دیا
وہی یہ کاٹیں گے آخرت میں، انھوں نے جو اس جہاں میں بویا
یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال، آذری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

تمنائے انجم

غیر ممکن ہے بلندیِ نظر کو چھوڑوں
یہ نہ ہوگا کبھی گلہائے شرر کو چھوڑوں
یا کبھی شاہدِ مقصود کے در کو چھوڑوں
لطفِ ہمسائگیِ شمس و قمر کو چھوڑوں
اور میں خدمتِ پیغام سفر کو چھوڑوں

گوشۂ زہد سے پیمانہ پرستی اچھی
ہوشِ ناکارہ سے ہے رند و مستی اچھی
بزمِ انجم سے مری محفلِ ہستی اچھی
میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی

کون سمجھے گا جو مقصودِ سخن ہے میرا
کس کو سمجھاؤں کہ کیا رنج و محن ہے میرا

کیا کہوں کس کو بتاؤں جو چلن ہے میرا
آسماں کیا؟ عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا

جانتی ہوں کہ نہیں میں کوئی دانا بینا
یہ مگر سچ ہے، مرا ذوق نہیں پارینہ
بلکہ صد مشرقِ انوار ہے میرا سینہ
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیِ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا

یہ تمنا ہے کوئی خاک کا پیکر بنتا
بزمِ خاکی میں کہیں شمعِ منوّر بنتا
کچھ نہ بنتا تو میں اخترؔ سا سخنور بنتا
میری قسمت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

اختر و اقبال

یہ مانا یوں تو ہی ساری زمیں سارا جہاں اپنا
قمر اپنا فلک اپنا مکاں و لا مکاں اپنا
مگر کیا لطف ہی جب ہو نہ کوئی ہمزباں اپنا
کہاں اقبال تونے آ بنایا آشیاں اپنا

نوا اس باغ میں بلبل کو ہی سامان رسوائی
یقیں ہی دولتِ نایاب کو کھوتا تو ہی لیکن
یہ مانا یاد ماضی میں بہت روتا تو ہی لیکن
اثر تیری نوائے تیز کا ہوتا تو ہے لیکن
شرارے وادیٔ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن

نہیں ممکن کہ پھوٹے اس نوا سے تخمِ سینائی
نہ غنچوں کا ترنم ہی نہ آمد ابرِ باراں کی
خزاں نے چھین لی ہیں رونقیں ہر سبزہ زاں کی

کہ پہچانی نہیں جاتی ہے اب صورت خیاباں کی
قیامت ہے کہ فطرت سوگئی اہلِ گلستاں کی

نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی
شرابِ سرخ جب باقی نہیں ہے آبگینوں میں
تو پھر مستی کہاں پیرِ مغاں کے ہمنشینوں میں

نہ کعبہ ہے نہ بت خانہ نہ سجدے ہیں جبینوں میں
دلِ آگاہ جب خوابیدہ ہو جاتے ہیں سینوں میں

نوا گر کے لئے زہر آب ہوتی ہے شکر خائی
اٹھ اختر کر سفر کا عزم تو اب خیاباں سے
اگر جوشِ جنوں ہے کام لے کوہ و بیاباں سے

ملادے چاکِ دل کو چاکِ دامان و گریباں سے
نہیں ضبطِ نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے

کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرا کی تنہائی

"بارگاہِ شہود"

خبر نہیں ترے آہن پہ چڑھ گیا کیوں زنگ
نہ دِل میں تیرے بصیرت نہ چہرے پر کچھ رنگ
بہ ہوش باش کہ تجھ سے زمانہ ہے دِل تنگ
ترا وجود سراپا تجلّی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہی تعمیر
ترے خرام میں مستی نگہ بھی متوالی
ترے لباس سے ظاہر ہی تیری خوشحالی
مگر نہیں تجھے احساسِ بے پر و بالی
مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہی تو زرنگار، بے شمشیر
کسی کی جلوہ کدہ ہے یہ بارگاہ شہود
ہر ایک ذرہ ہزاروں تجلیوں کی نمود

نظر اٹھا کہ ہر اک سو ہے حسنِ لا محدود
تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجودِ ترا
تجھے سمجھنے کی توفیق دے ترا معبود
نہیں ہے صرف زمیں تک یہ زندگی محدود
مگر ابھی نہیں تو آشنائے رازِ وجود
وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

نورِ مطلق

مژدہ بادا کہ کنوں دیدہ ورے پیدا شد — نورِ خورشید بہ شکلِ شررے پیدا شد
محرمِ صدق و صفائے دگرے پیدا شد — نورِ مطلق بہ لباسِ بشرے پیدا شد
نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

گوشہ گوشہ سے نمایاں ہے تجلی کا ظہور — ذرے ذرے میں نظر آتے ہیں انوارِ شعور
غنچہ غنچہ کی زباں پر ہے بصد کیف و سرور — چشمِ ما روشن و دل شاد، ادھر آئیں حضور
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

کہتے تھے اہلِ فلک ہم ہیں فقط جانِ ازل — ہمیں ہیں واقفِ اسرارِ دبستانِ ازل
جانتے تھے نہ مگر کچھ بھی یہ دربانِ ازل — ہاتھ میں کس کے ہے سر رشتۂ پیمانِ ازل
خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں، پردہ درے پیدا شد

آخرش سُن ہی لیا دہر نے پیغامِ حیات　　پیدا ہوتی ہی چلی جاتی تھی ہر بات میں بات
یعنی انسان کی اس ہستیِ فانی کا ثبات　　الغرض کھل کے رہا، چھپ نہ سکا رازِ نجات

آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد

اے خوشا صورتِ خاشاک تپیدن ہمہ عمر　　اے خوشا با دلِ صد چاک تپیدن ہمہ عمر
معنیِ آیۂ لولاک تپیدن ہمہ عمر　　کیونکہ ہے حاصلِ ادراک تپیدن ہمہ عمر

زندگی گفت کہ در خاک تپیدن ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

مجذوباتِ شیخ

کہتے ہیں کچھ، یہ عہد فقط زیر و بم کا ہے — کچھ کہہ رہے ہیں، دورِ فروغِ ستم کا ہے
ہے بعض کا خیال، دفورِ الم کا ہے — فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے

دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

ہر چند یہ حکایتِ رنگیں ہے دلنشیں — رنگینیوں میں اسکے نہیں ہے کمی کہیں
اور اس کو سن کے نیند بھی آتی ہے بالیقیں — لیکن جنابِ شیخ کو معلوم یہ نہیں

مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر

جھوٹی نمود، عارضی دولت بہت یہاں — لیکن نہیں صحیح ترقی کا یہ نشاں
دراصل ہے وہ حوصلہ و عزمِ جانفشاں — تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں اب کہاں

ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

اوہامِ باطلہ سے جھجکتا ہو جس کا دل — اندیشۂ غلط سے دھڑکتا ہو جس کا دل
آغوشِ بے حسی میں سسکتا ہو جس کا دل — کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل

کہتا ہے کون اس سے مسلماں کی موت مر

یہ بے حسی کی زندگی ہے کوئی زندگی — دل غم سے ہے نڈھال مگر لب پہ ہے ہنسی
سچ سچ کہوں برا نہ اگر مانیں شیخ جی — تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی

دنیا میں جس کو پنجۂ خوں میں ہو خطر

مشرق اٹھا نہ حق کی حمایت کے واسطے — قربانی کی کسی نے نہ ملت کے واسطے
کچھ بھی کیا نہ قوم کی عزت کے واسطے — باطل کی فال و فر کی حفاظت کے واسطے

یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

گو اس کو کوئی ربط نہیں اب حجاز سے — گو اس کو واسطہ ہے بہت کم نماز سے
گو اس کا سینہ خالی ہے سوز و گداز سے — ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے

مشرق میں جنگِ شر ہی، تو مغرب میں بھی ہے شر

مانا کہ ذات آپ کی ہے فخرِ کائنات — مانا فقط ہے زہد و ورع آپ کی حیات
لیکن یہ پوچھتی ہوں، اگر ہو کچھ التفات — حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات

اسلام سے محاسبہ، یورپ سے درگذر!

حرم و دیر

خدا رکھے جمالِ عارضِ جاناں کی زیبائی
تجلی کون سی تھی جو مرے دل میں نہیں آئی
وہ تیری لطف پاشی اور وہ تیری پذیرائی
مجھے مل ہی گیا تجھ سے مرا حقِ جبیں سائی

نہ تو اندر حرم گنجی، نہ در بتخانہ می آئی
ولیکن سوے مشتاقاں، چہ مشتاقانہ می آئی

یہ مانا ہے ترا مشتاق سارا عالمِ امکاں
تمنا ہے ترے جلوہ کی ہر ہر ذرہ میں پنہاں
مگر ہر سینہ میں تو جاگزیں ہو، یہ نہیں شایاں
تری منزل مرا دل ہے، ادھر آ اے شہِ خوباں

قدم بیباک تر نہ در حریمِ جانِ مشتاقاں
تو صاحب خانۂ، آخر چرا دزدانہ می آئی

محبت کی کرے گا تو کہاں تک آبرو خیزی
قیامت ہے تری فطرت کی یہ نیرنگی و تیزی
کبھی انداز دارائی، کبھی انداز تبریزی
کبھی انداز جمشیدی، کبھی اندازِ چنگیزی

گہے صد لشکر انگیزی کہ خون دوستاں ریزی
گہے در انجمن با شیشہ و پیمانہ می آئی

مٹانے کے لئے دنیا سے رسم فتنہ انگیزی
بلا کی تجھ میں پائی جاتی ہے بیباکی و تیزی
ترا جادہ صداقت ہو جدا از رسمِ چنگیزی
خدا کا شکر ہے مٹ کر رہی تیری کم آمیزی

تو بر نخلِ کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر "شمع یتیمے" صورتِ پروانہ می آئی

تامل ترک کن تیرے بروں آر از سر ترکش
کمر بند و ستیزہ کار شو با دشمنِ سرکش
بگو اختر چرا خواہی نہ از خود آگہی درکش[1]

[1] درک بمعنی فہم و فراست

بیا اقبال و آہِ شعلہ پاش از سینہ ات برکش
بیا اقبال جامے از خمستانِ خودی درکش
تو از میخانۂ مغرب، ز خود بیگانہ می آئی

گدازِ دل

جس میں نہ ہو گداز تو وہ دل نہ کر قبول
طوفاں سے کھیل، دعوتِ ساحل نہ کر قبول
بے حاصلی میں لطف ہے حاصل نہ کر قبول
تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلےٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اُٹھ اور بڑھ کے قوتِ باطل سے کر ستیز
برق و شرر کی طرح دکھا اپنی جست و خیز
یہ غفلتیں، یہ بے حسی ہنگامِ رست و خیز!
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

گرمی کا نام تک نہیں تیری حیات میں
ہے روشنی نہ دن میں ترے اور نہ رات میں

جب دیکھو دل پڑا ہے ترا سومنات میں
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیٔ محفل نہ کر قبول

دی بارہا صدا تجھے کوس رحیل نے
بیدار لاکھ بار کیا ہر دلیل نے
کچھ بھی نہ جب سنا مری طبعِ علیل نے
صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

وہ دن بھی تھا کہ ہاتھ میں تھے تیرے روم و رے
پر اب نہیں ہے جز کفِ افسوس کوئی شے
آخر یہ سجدۂ درِ بت خانہ تا بہ کے
باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

نغمۂ داؤد

یہ کس نے آج سجائی ہے بارگاہِ وجود　　ہے ایک ربطِ نمایاں میانِ غیب و شہود
وفورِ گل ہے چمن میں کہ آتشِ بے دود　　بہار تا بہ گلستاں کشید بزمِ سرود

نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود

ہر ایک ذرہ کے پیکر میں حشر ہے برپا　　زمیں سے تا بفلک اضطراب ہے برپا
مگر نہیں ہے ابھی رازِ زندگی افشا　　گماں مبر کہ سرشتند در ازل گلِ ما

کہ ما ہنوز خیالیم در خمیرِ وجود

چمن میں آگیا جب کوئی رندِ جام بدست　　کلی کی آنکھ کھلی، بلبلیں ہوئیں بدمست
یہی ہے کارگہِ زندگیِ بادہ پرست　　بہ علم غرہ مشو، کارِ میکشی اگر ست

فقیہِ شہر، گریباں و آستاں آلود

پڑے ہوئے تھے زمانہ پہ عقل کے پردے　　خدا کا شکر کہ آخر حجابِ راز اٹھے
پلا کے بادہ حقیقت کے بھید کھول دیئے　　شبے بہ میکدہ خوش گفت پیرِ زندہ دلے

بہ ہر زمانہ خلیل ست و آتشِ نمرود

ہر ایک گل نظر آتا ہے جامِ بادہ بدست اٹھائی جس نے نظر ہو گیا وہی بدمست
یہ جلوہ گاہِ چمن ہے کہ جلوہ گاہِ الست بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست

نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب فزود

حریمِ عشق میں لازم ہے آدمی کو شعور نگہ کی جنبشِ بیجا بھی یاں ہے سخت قصور
بڑے بڑے نظر آتے ہیں عشق میں مجبور بہ دیرِ یانِ سخن نرم گو کہ عشق غیور

بنائے تبکدہ افگند در دلِ محمود

ضمیرِ قوم ابھی تک ہے آہ، غیر پرست گدازِ قلب بھی مفقود، ذوقِ عشق بھی پست
مگر نے گاتری کون اختر بدمست بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است

کہ مردہ زندہ نہ گردد ز نغمۂ داؤد

نغمہ ہائے الست

یہ آج چھیڑ دیئے کس نے نغمہ ہائے الست
کہ شاخسار میں ہو غنچہ غنچہ خرّم و مست
یہ کون باغ میں آیا ہے رندِ بادہ پرست
بیا کہ ساقیِ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بہاراں جوابِ ارژنگ است

میں کیا کہوں کہ ہے میلِ بہار میں کیا مد
نہیں ہے باغ میں اب گل سے خار کو کوئی کد
نہیں ہے آج نشاط و سرور کی کوئی حد
حنا ز خونِ دلِ نوبہار می بندد
عروسِ لالہ چہ اندازہ تشنۂ رنگ است

صدائے دل سے مرے سیکھ برقِ تاثیری
رہے گی تا بہ کجا یہ غلامی و پیری

عمل ہے اصل، نہیں کوئی امر تقدیری
بچشمِ عشق نگر تا سُراغِ او گیری

جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است
چو سرو بلند ت از قدِ تو نمو گیرد
گلِ بہار ز پیراہنِ تو بو گیرد
دُر از تبسمِ تو رنگ آبرو گیرد
تو قدرِ خویش نہ دانی بہار تو گیرد
وگرنہ لعلِ درخشندہ پارۂ سنگ است

سنو ترانۂ اختر کو گوشِ دل سے سنو
اٹھو اٹھو ارے او اہلِ کارواں اٹھو
بڑھائے جاؤ قدم، ہاں نہ اب کہیں ٹھہرو
بلند تر ز سپہر ست منزلِ من و تو
براہِ قافلہ خورشید میلِ فرسنگ است

زخمِ کرم

تجھ سے زیادہ رمز داں کون ہے یاں سخن سرا
شاعرِ نغمہ آفریں ہاں، اسی لے میں گائے جا
جو تجھے کہنا تھا کہا تو نے ہمیشہ بر ملا
اشہد اَن لا الہ، اشہد اَن لا الہ

بازبہ سرمہ تاب دہ، چشمِ کرشمہ زائے را
ذوقِ جنوں دوچند کن، شوقِ غزل سرائے را

خالقِ دوجہاں مری سن لے دعائے بیقرار
حیف کہ نقش ہوں ترا اور ہوں رہینِ انتشار
خاک رہوں گی تا بہ کے اے مرے پاک کردگار
تنگ ہے میرے واسطے اب یہ حیاتِ مستعار

نقشِ دگر طراز دہ آدمِ پختہ تر بیار
لعبتِ خاک ساختن می نہ سزد خدائے را

ہیچ ندانم اختراؔ، راحتِ آشیانہ چیست
در قفسم و بے خبر رشتہ بہ پائے من زکیست

نالہ کشم نہ بر ملا، آہ و فغانِ من خفی ست
با کہ بگویم اختراؔ، ایں ہمہ داستانِ زیست

قصۂ دل نہ گفتنی ست دردِ جگر نہفتنی ست
خلوتیاں، کجا برم لذتِ ہائے ہائے را

اُس کو پکارتی ہوں میں دشت و چمن میں چار سو
ڈھونڈھتی ہوں اُسی کو میں لحظہ بہ لحظہ کو بہ کو

حال جو عندلیب کا ہے وہی میرا ہو بہو
نالۂ گرم سرکروں ہے یہی ایک آرزو

آہِ دُرو نہ تاب کو، اشکِ جگر گداز کو
شیشہ بہ سنگ می زنم، عقلِ گرہ کشائے را

دل میں اُسی کی یاد ہے، دل میں اسی کی ہے لگن
بندۂ لطف ہوں، نہیں مجھ کو شکایتِ محن

کیا کہوں کون سی اُمنگ آج ہے دل میں موجزن

چاہتی ہوں یہی کہ ہو رشکِ ارم مرا وطن
بزم بہ باغ و راغ کش، زخمہ بہ تارِ چنگ زن
بادہ بخور، غزل سرائے، بند کشا قبائے را

جتنے ہیں اہلِ کارواں خواب میں ہیں ہنوز مست
گونج رہا ہے ہر طرف شور و فغانِ بود و ہست
صبح ہوئی، اٹھیں اٹھیں، سر کو جھکائیں حق پرست
کوچ کا وقت آ گیا، کچھ کریں اپنا بندوبست
صبح دمید و کارواں کرد نماز و رخت بست
تو نہ شنیدۂ مگر زمزمۂ درائے را

اخترِ خوش رقم ہوں میں، شعر مرا ہے جامِ جم
فکر مری ہے نو بہ نو، تازہ بہ تازہ دم بہ دم
بندہ حجاز کی ہوں میں، میں نہیں بندۂ عجم
ہو نہ سکا کسی جگہ میرا سرِ نیاز خم
نازِ شہاں نمی کشم، زخمِ کرم نمی خورم
در نگر اے ہوس فریب، ہمتِ ایں گدائے را

مرگِ خودی

خودی کی موت سے اخلاق کا ہے شیشہ چور
خودی کی موت سے انسان ہو گیا مجبور
خودی کی موت ہے حیوانیت کا گویا ظہور
خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام

خودی کی موت سے طاری ہیں ہمپہ سنگیں خواب
خودی کی موت سے ہے گو ہرِ وفا بے آب
خودی کی موت سے ذوقِ طلب ہے اب نایاب
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب و تاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت کا قبضہ ہے نونہالوں پر
خودی کی موت ہے چھائی ہوئی خیالوں پر

خودی کی موت کا سایہ ہے خستہ حالوں پر
خودی کی موت ہے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے دن بھی ہوا شبِ دیجور
خودی کی موت سے انسان کھو چکا ہے شعور
خودی کی موت سے انسان ہو گیا مقہور
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جائے احرام

شکر و قند

یوں تو نظر آتے ہیں پرستارِ خدا بھی
اور مدعیانِ سرِ تسلیم و رضا بھی
کر لیتے ہیں، ہاں نعرۂ حیدر جہلا بھی
شاعر بھی ہیں پیدا، علما و حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ

راہیں ہیں جدا سب کی مگر عزمِ سفر ایک
رفتار میں ہے فرق مگر راہ گذر ایک
یعنی کہ نظر ایک ہے اور حدِ نظر ایک
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ

ہیں یونتو بظاہر وہ بہت خرم و خوشرو
لیکن نہیں ان میں ہے شرافت کی کوئی خو
پھر کیوں نہ کریں آپ ہی اس جھگڑے کو یکسو
بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

آزادیِ انسان کے سب کر دیے در بند
جھوٹے ہیں جو یہ کھاتے ہیں اللہ کی سوگند
دیتے ہیں ہمیں زہر بہ شکلِ شکر و قند
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

مناصبِ حیات

اب اس کے ساز میں باقی نہیں کوئی آہنگ　　دکھائی دیتا ہے الماس اس کو پارۂ سنگ
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے اسکی عقل ہے دنگ　　ہوا ہے بندۂ مومن فسونِ افرنگ
اسی لئے تو قلندر کی آنکھ ہے نمناک

سنے گا کون کہوں کس سے میں فسانۂ شب　　ہیں اہلِ بزم یہاں محوِ خواب سب کے سب
مجھے تو شرم سی آتی ہے کھولوں کیا میں لب　　ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

ہیں ایک تیری نگہ میں بلندی و پستی　　تو کیا سنے گا ترے سر میں چھائی ہے مستی
سمجھ سکے گا نہ تو کیا ہے غایتِ ہستی　　مگر یہ بات چھپائے سے چھپ نہیں سکتی
سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک

ہم اپنا کیوں امید بھر نہیں سکتے　　جو ذرے بیٹھ گئے وہ ابھر نہیں سکتے
کچھ ایسے بگڑے ہم، اب بن نہیں سکتے　　شریکِ حکم غلاموں کا کر نہیں سکتے
خریدتے ہیں فقط ان کا جوہرِ ادراک

سحر

یہ سحر جس کا ہر اک لمحہ ہے رشکِ نوروز
یہ سحر جس کی تجلی ہے بصارت افروز
یہ سحر جس کی ضیائیں ہیں بصیرت آموز
یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

وہ سحر جس نے کیا ختم زمانے کا جمود
وہ سحر جس کی تجلی ہے دو عالم کی نمود
وہ سحر ختم ہوئی جس سے شبِ زنگ آلود
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

صبح کا تارا

اسی نگہ کو میسر ہی حق کا نظارا　　اسی سے نورِ تجلی کا چڑھتا ہی پارا
وہی ہی ذرہ حقیقت میں انجمن آرا　　وہی جواں ہی قبیلہ کی آنکھ کا تارا
شباب جسکا ہی بیداغ ضرب ہی کاری

تو ایک ذرہ ہی پر آفتاب سے بڑھ کر　　ہی تیرا چہرہ رُخِ ماہتاب سے بڑھکر
ہی سازِ دل ترا چنگ و رباب سے بڑھ کر　　اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھکر
اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری

عجب نہیں وہ اگر ہی صداقت امروز　　عجب نہیں جو نگہ مثلِ تیر ہے دلدوز
عجب نہیں ہی اگر وہ صدائے حق آموز　　عجب نہیں ہی اگر ساز اسکا ہی ہمہ سوز
کہ نیستاں کے لئے بس ہی ایک چنگاری

اسی کی ذات سے قائم ہی جوشِ ایمانی　　اسی سے پاتی ہی تسکین روحِ ایمانی
اسی نے کی ہی عطا خس کو شعلہ سامانی　　خدا نے اس کو دیا ہی شکوہِ سلطانی
کہ اسکے فقر میں ہی حیدری و کراری

نہ دیکھ اس کی مگر ظاہری تباہی کو ۔ اسے تو فرق پہ رکھنا ہو تاجِ شاہی کو
اسے مٹانا ہو اب کفر کی سیاہی کو ۔ نگاہِ کم سے نہ دیکھ اسکی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہ ہے سرمایۂ کلہ داری

حکومت

دیں کو اپنے نہ کبھی اٹھ کے سنوارا لیکن
دل سے اٹھا نہ کبھی انکے شرارا لیکن

نہ دیا قوم کو اک دن بھی سہارا لیکن
ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن

شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات

آپ کے وعظ و نصیحت سے مجالِ انکار
کرنے دیجئے مجھے اس درد کا لیکن اظہار

قوم کے حال پہ اب لطف نہ کیجئے زنہار
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار

بحث میں آتا ہے جب فلسفۂ ذات و صفات

یہ جہاں کیا ہے، حباب آہ، مجھے یہ تسلیم
خاک میں مل گئے شاہوں کے ہزاروں دیہیم

نہ رفیقانِ کہن کا رہا باقی نہ ندیم
گرچہ اس دیر کہن کا ہے یہ دستورِ قدیم

کہ نہیں میکدۂ و ساقی و مینا کو ثبات

ہر نفس صورتِ زورق ہے اسی ملت کا
شہرہ اس دہر میں برحق ہے اسی ملت کا

مستیِ شوق سے دل شق ہے اسی ملت کا
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اسی ملت کا

انگبیں جسکے جوانوں کو ہے مذاقِ حیات

علم و دین

نہ پوچھ مدرسہ و خانقاہ کی تعلیم
نہ روشنی نہ بصیرت نہ جذبۂ تکریم
عجب زمانہ ہی کرتا نہیں اسے تسلیم
وہ علم اپنے بتوں کا ہی آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم

تمام عالمِ ہستی بے ثبات بھی ایک
صفات و ذات بھی ایک اور ممکنات بھی ایک
ہی غزنوی بھی یہاں ایک، سومنات بھی ایک
زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم

تڑپ نہیں ہی تو دل میں نہیں ہی پھر کچھ بھی
اسی کا نام ہے دنیا میں عالم پستی

جہاں میں یوں نہیں ابھری ہی کوئی قوم کبھی
چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہی قطرۂ شبنم اگر شریک نسیم
کہاں کا نالۂ بلبل اگر بہار نہیں
وہ گل ہی کون سا جو ہمنشینِ خار نہیں
تری نگاہ مگر اس کی راز دار نہیں
وہ علم کم بصری جس سے ہم کنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ کلیم

پیرِ حرم سے

دیکھو جسے لیلائے فرنگی کا ہی مجنوں
چھایا ہی دِل و روح پہ تہذیب کا افسوں
ہر سر میں ہی سودائے خیالات کا افسوں
مجھکو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں
معلوم نہیں دیکھتی ہی تیری نظر کیا

ہر آنکھ ہی بے نور، ہر اک قلب زبس تار
محفل میں جسے دیکھئے مستِ مئے پندار
ہر بات پہ بحثیں ہیں ہر اک نکتہ پہ تکرار
ہر سینہ میں اک صبحِ قیامت ہی نمودار
افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

ہی جام میں اپنے کہاں اب بادۂ صافی
کشکولِ گدائی ہی ہمارے لئے کافی

بیمار ہو ایسا تو خدا بھی نہیں شافی
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی
اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا

تعمیر ہوئے مدرسے فردوس بریں کے
تعلیم ہی ناقص ہو تو کیسے کوئی جاگے
اس خاک سے کس طرح ستارہ کوئی چمکے
ممکن نہیں تعمیرِ خودی خانقہوں سے
اس شعلۂ نمناک سے ٹوٹے گا شرر کیا

اشارۂ فطرت

یہ ہر ایک لحظہ فطرت تجھے کرتی ہے اشارہ
یہ تری زندگی ہے شعلہ تو بنا ہے کیوں شرارہ

یہ ترا وجودِ مخزوں، یہ لباسِ پارہ پارہ
دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

میں بتاؤں کیا کہ حالت تری کس قدر زبوں ہے
نہ سرشک آنکھ میں ہے نہ رگوں میں جوشِ خوں ہے،
ہے لباس تیرا ثابت، یہ جنوں کوئی جنوں ہے
ترا بحر پُرسکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابیِ کنارہ

ہے جمود تجھ پہ طاری، تجھے کچھ پتہ نہیں ہے
کوئی مدعا نہیں ہے کوئی ولولہ نہیں ہے

نہ ہو اضطراب دل میں تو اُسے بقا نہیں ہے
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بیقرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ

مرے شعر کو سُنا ہے گل و انجم و قمر نے
دُر و لعل مجھکو بخشے ہیں خدائے بحر و بر نے
ہیں جگائے لاکھ جادو مری جنبشِ نظر نے
ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمۂ سحر نے
مری خاک بے شرر میں جو نہاں تھا اک شرارہ

یہ نوائے دلکشا ہے نہیں یہ صدا بہ صحرا
کوئی کیسے دیکھے اختر مری فکر نو کا جلوا
مگر اس جہاں میں شائد نہیں کوئی چشمِ بینا
نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نظارہ

کارگہِ شیشہ گراں

شمع پر جل بجھا پروانہ، پر اٹھا نہ دھواں
ایسا ناکام نہیں میرا اگر سوزِ نہاں
اللہ اللہ، یہ تقدیر، یہ منظر، یہ سماں
حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں

دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیمبراں
تکمۂ لعل ہو یا شاخوں پہ غنچہ کی نمود
صوتِ بلبل ہو ہر اک کنج میں یا بزمِ سرود
آگ سی چار طرف پھیلی ہو لیکن بے دُود
در چمن قافلۂ لالہ و گل رخت کشود

از کجا آمدہ اند، ایں ہمہ خونیں جگراں

ہو بجا، گر ہو تجھے آرزِ و رفعت و فوق
واقعی ننگ ہو گردن میں غلامی کا یہ طوق
پورا یوں ہو نہیں سکتا ہو مگر تیرا شوق
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق

نخورد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں

سینہ ویران تھا، دل سرد تھا، مفقود امنگ
عرصۂ زندگی ہوش تھا میرے لئے تنگ
لیکن اس طرح ہٹا راہ سے میری یہ سنگ
خرد افزود مرا درسِ حکیمانہ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

آہ از سینہ بروں آر کہ تابِ دلِ تست
گامزن جانبِ یثرب کہ ہماں منزلِ تست
گرزنی نعرۂ اسلام، جہاں حاصلِ تست
برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے زخود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

کھاتے ہیں میرے تقدس کی ملائک بھی قسم
فخر ہے میرے لئے بندگیِ شاہِ اُمم
مجھ سے قائم ہے یہاں آبروئے بامِ حرم
کس نہ دانست کہ من نیز بہائے دارم
آں متاعم کہ شود دستنرِ بے بصراں

قند مکرر

اک رازِ محبت تھا جو کہہ گیا دیوانہ — وہ دین ہو یا دنیا، ہر چیز ہے افسانہ
ہاں، ہمتِ مردانہ، اک نعرۂ مستانہ — فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ
ایں جلوتِ جانانہ، آں خلوتِ جانانہ

احساسِ محبت ہے اس وقت کچھ افزوں تر — اے پیرِ مغاں کر دے لبریز مرا ساغر
تو ساتھ اگر ہو تو تنہائی کا پھر کیا ڈر — از بزمِ جہاں خوشتر، از حورِ جناں خوشتر
یک ہمدمِ فرزانہ با بادہ و پیمانہ

مانا کہ مرے دل پر اب ہے ستمِ بیحد — لیکن ہے دبستانِ الفت کی تو یہ ابجد
بس میں ہی اسے دیکھوں، کیوں ہو مجھے یہ کد — ہر کس نگہے دارد، ہر کس سخنے دارد
در بزمِ تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

ہم اشک کا طوفاں ہیں سینہ میں لئے بیٹھے — واللہ محبت کے آثار نہیں اچھے
کوئی مجھے بتلائے، یوں لوٹ لیا کس نے — ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبیخونے
صد شہرِ تمنا را یغما زدہ ترکانہ

مشہور ہے دنیا میں ہر کارے و ہر مردے — "دارد بہ خیالِ خود ہر شخص جدا خبطے"
جو نعرۂ اختر ہے وہ بھی تو ذرا سن لے — در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

روحِ قرآنی

وہی جو رکھتا ہے بادہ نہ جام رکھتا ہے — نہ قوتِ زر و تیغ و حسام رکھتا ہے
نہ قہر و زور و زرِ یمان و سام رکھتا ہے — کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جسمیں ہو بے پردہ روحِ قرآنی

مری نظر سے ذرا دیکھ دل کشی اپنی — نہ جانی قدر کبھی تو نے واقعی اپنی
نہ تو نے پی کبھی صہبائے زندگی اپنی — خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہو جسکو سلطانی

خدا کیواسطے پی جلد پی کہ آئی بہار — فروغِ لالہ و گل دیکھ، سن نوائے ہزار
اٹھا نگاہ کہ اب غنچہ غنچہ ہے بیدار — یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظلِّ سبحانی

وہی مقام جہاں زندگی برستی ہے — وہی مقام جو یکسر فراغ دستی ہے
وہی مقام جو ناآشنائے پستی ہے — یہ جبر و قہر نہیں ہے، یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

نہیں ہے یاد مگر عہد الستا تجھ کو — لئے تھی گود میں جب رحمتِ خدا تجھکو
خبر بھی ہے تجھے اب ہو گیا ہے کیا تجھ کو — کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھکو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

میں پوچھتی ہوں کہ کم تھا جہانیں تو کس سے
وہ جھک گیا ترے آگے ملا تو جس تس سے

نظر لڑ آتا تھا گلشن میں چشمِ نرگس سے
ہوا حریفِ مہ و آفتاب تو جس سے

رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ مسلمانی

خوشا وہ دن کہ جدا سب سے تھا ترا مسجود
بہت بلند زمانہ سے تھا ترا مقصود

سوا خدا کے نہ تھا کوئی بھی ترا معبود
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود

خریدلی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

فکرِ راہ

نہیں طلب ہی تجھے فکرِ راہ کیوں ہوتی یہ کیا غضب ہے تری روح اب بھی ہے سوتی
حقیر شے ہے اگر داغدار ہے موتی یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ جانتی ہوں کہ ہے ذرہ ذرہ پیکرِ نور مگر خطا ہے مری یا تری نظر کا قصور
کہ آج تک نہ مجھے مل سکا خدا کا حضور یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

فریبِ حسنِ مجازی سے بے خبر ہشیار سمجھ رہا ہے جسے پھول ہیں یہ آتش و خار
کھلے نہ تجھ پہ مگر زندگی کے یہ اسرار یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اگر یہی ہے ترا ولولہ تو کیا حاصل جو ہے نظر کا یہی منتہا تو کیا حاصل
زباں نے تیری پکارا خدا تو کیا حاصل خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بہت بلند ہے دنیا سے آرزو میری حریمِ قدس کو چھوتی ہے جستجو میری
جدا ہے شیوۂ اہلِ جہاں سے خو میری عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نوائے سوز

بتاؤں کیا کہ مسلط ہے مجھ پہ کونسا غم
نہ ہم صفیر کوئی ہے، نہ کوئی ہے ہمدم
سناؤں اب میں کسے اپنی داستانِ الم
ہنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم
بہار می رسد و من گلِ نخستینم

میں جانتا ہوں کہ ممکن نہیں مٹے یہ الم
نہیں ہے اب کوئی امید، دور ہو یہ غم
پر اس لئے کہ بہل جائے دل مرا کوئی دم
بہ آب جو نگرم خویش را نظارہ کنم
براس بہانہ مگر روئے دیگرے بینم

کدھر ہیں آئیں ادھر جو ابھی نہیں بدمست
چمن میں آج ہوں اک میں ہی جام بادہ بدست
چلو چلو کہ لنڈھاتا ہوں میں شرابِ الست
بخامۂ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم

جنونِ شوق مرا بڑھ رہا ہے روز بروز
شروعِ عشق ہے لیکن بہت سبق آموز
ہے میرے سازِ جنوں میں بلا کی گرمیِ سوز
دلم بہ دوش نگاہم بہ عبرتِ امروز
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم

خبر نہیں کہ سمجھتی ہے کیا مجھے شبنم
صبا و خار میں سرگوشیاں ہیں کیا باہم
مرے وجود کا ہے راز صرف یہ ہمدم
ز تیرہ خاک دمیدم قبائے گل بستم
دگرنہ اخترِ واماندۂ ز پروینم

مرغ نوا طراز

اے کہ حیات بخش ہے میرے لئے تری صدا
خلوتیانِ راز کو بہر خدا کہیں بلا
خستہ و مضطرب رہے تا بکجے جانِ مبتلا
خیز و نقاب بر کشا پردگیانِ راز را
نغمۂ تازہ یاد دہ، مرغِ نوا طراز را

رہنے دے مجھکو مضطرب مجھکو سکوں ہے ناگوار
تو یونہی نغمہ سنج رہ صورتِ جوئے کوہسار
تیری نوائے درد پر؟ دولتِ دو جہاں نثار
جادہ زخونِ رہروان تختۂ لالۂ بہار
ناز کہ راں می زند قافلۂ نیاز را

بہر خدا لٹا بھی دولتِ دردِ عاشقی
مالکِ صد بہار ہے تجھکو نہیں کوئی کمی
مان لے میرا یہ کہا، سُن لے یہ التجا مری
دیدۂ خوابناکِ او، گر بہ چمن کشودہ اگر
فرصتِ یک نظر بدہ، نرگس نیمباز را

میرے جنوں میں بھی نہیں گرچہ زیادہ شد و مد
اور مجھے نہیں ہے کچھ اہلِ خرد سے بھی حسد
یہ بھی نہیں مگر کہ میں جانوں نہ فرقِ نیک و بد
گرچہ متاعِ عشق را عقل بہائے کم نہد
من نہ دہم بہ تختِ جم آہِ جگر گداز را

میرے لئے تو ہے تری مہرِ سکوت بھی نشید
تیرا اشارۂ نظر میرے لئے پیامِ عید
جس میں نہیں ہے تابِ ضبط اُن کو مگر نہ کر مرید
حرفِ نگفتۂ شما برلبِ کو دکاں رسید
از منِ بے زباں بگو خلوتیانِ راز را

کیا میں بتاؤں حُسن کا ہوتا ہے دل پہ کیا اثر
تاک لے جس کو ایک بار اس کہیں نہیں مفر
اخترِ راز آشنا کس کو سُنائے یہ خبر
برہمنے بہ غزنوی گفت "کرا تم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را"

شاعر اور حور

حور:-

مری سمت کیوں نہیں ہے ترا التفات شاعر — مری جنتِ حسیں میں ہے تری نجات شاعر

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسم آشنائی

نہیں قدر تجھکو اصلاً مرے عشوہ و ادا کی — ترے سینۂ تپاں میں یہ تڑپ ہے کس بلا کی

ہمہ سازِ جستجوئے، ہمہ سوزِ آرزوئے
نفسے کہ می گدازی، غزلے کہ می سرائی

مگر آہ اب میں سمجھی کہ جہاں ہے تجھ سے قائم — ترا نغمہ جاوداں ہے، ترا شعر نقشِ دائم

بہ نوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائی
کہ ارم بہ چشم آید چو طلسمِ سیمیائی

شاعر:-

ہیں اگرچہ جان لیوا ترے حسن کے نظارے
مری زندگی مگر ہے غمِ عشق کے سہارے
ہیں بلا کے ہوش افگن ترے آنکھ کے اشارے
دلِ رہرواں فریبی، بہ کلام نیش داری

مگر ایں کہ لذتِ او نہ رسد بنوکِ خارے

میں ہوں شاعرِ محبت مجھے تجھ سے کیا بھلا کد
مگر آہ کیا کروں میں غمِ دل مرا ہے بیحد
تری آرزو کو کرتا نہ کسی طرح سے میں رد
چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نہ سازد

دلِ ناصبور دارم، چو صبا بہ لالہ زارے

مرا دل سحاب غم ہے مگر آہ کیسے برسے
یہ محال ہے کہ طوفاں کوئی چشم تر سے اٹھے
میں تجھے بتاؤں کیونکر مرے ولولے ہیں کیسے
زشرر ستارہ جویم، زستارہ آفتابے

سرِ منزلے نہ دارم کہ بہ میرم از قرارے

دلِ من اگرچہ نزدِ تو اذیتے نہ دارد
دلِ من اگرچہ نزدِ تو حقیقتے نہ دارد
مگر ایں نہ راست باشد کہ محبتے نہ دارد
طلسم نہایتِ آں کہ نہایتے نہ دارد

بہ نگاہِ ناشکیبے، بہ دلِ امیدوارے

یہ نہیں ہے تیرے بس میں کہ حقیقتوں کو جانے
تجھے کیا خبر کہ کیا ہیں غمِ عشق کے فسانے

میں یہی کہوں گا لیکن کوئی مانے یا نہ مانے
دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے
نہ نوائے دردمندے، نہ غمے، نہ غمگسارے

نئے دور کا آغاز

اوروں کی طرح میں بھی ہوں گمراہ ولیکن
رہرو ہوں، نہیں کچھ طلب راہ ولیکن
بے نور ہو راتوں کا مرے ماہ ولیکن
میں کار جہاں سے نہیں آگاہ ولیکن
ارباب نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز

کیا حشر زمانہ میں ہو اسکا جو نہیں بد
دنیا میں سہی جائے گا تو کب تک ستم بیحد
اسلام سے لینا نہیں تو ہو بھی جا مرتد
کر تو بھی حکومت کے درندوں کی خوشامد
دستور نیا اور نئے دور کا آغاز

معلوم نہیں ہے یہ عداوت کہ محبت
معلوم نہیں ہے یہ سعادت کہ شقاوت
معلوم نہیں ہے یہ بغاوت کہ اطاعت
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہدے کوئی الو کو اگر رات کا شہباز

سیدہ اختر و اقبال

تجسس کے رنگین نشاں اور بھی ہیں
ترے منتظر کارواں اور بھی ہیں
مکاں اور بھی لامکاں اور بھی ہیں
ستارے کے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

نہیں جستجو کی یہاں انتہائیں
نہ کیوں اپنے ذوقِ طلب کو بڑھائیں
اٹھو اب حجاباتِ عالم اٹھائیں
تہی زندگی کی نہیں ہیں فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

ہر اک ذرہ دردِ تمنا سے مضطر
ہر اک گام ہے تازہ سامانِ محشر
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
نگاہوں سے پوشیدہ لاکھوں ہیں منظر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر چاک ہے گل کا دامن تو کیا غم
ہے نذرِ خزاں تیرا گلشن تو کیا غم
اگر چھن گیا تیرا امن تو کیا غم
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

ہر اک سانس ہے ایک الہام تیرا
ستاروں سے آگے ہے پیغام تیرا
غرض عرش پیما ہے انجام تیرا
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

کبھی تو بھی دیکھ آپ اپنا تماشہ — نہیں ہے یہیں ختم تیری یہ دنیا
نہ کر تنگ تو اپنا دامِ تمنا — اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں اور مکاں اور بھی ہیں

نیا عندلیب آیا ہے پھر چمن میں — یہی ذکر ہوتا ہے اہلِ سخن میں
سنو نغمہ اختر کا بزمِ وطن میں — گئے دن کہ اقبال تھا انجمن میں
حقیقت کے اب رازداں اور بھی ہیں

فرمان ابلیس

(اپنے فرزندوں کے نام)

لاؤ ہر ایک جلوہ کو ظلمت کے بیچ میں — اہلِ خرد کو ڈالو حماقت کے بیچ میں
پھانسو ہر ایک دل محبت کے بیچ میں — لاکر برہمنوں کو سیاست کے بیچ میں
زناریوں کو دیر کہن سے نکال دو

وہ مدعیِ عزم کہ ہے جس کو حوصلہ — وہ مدعی اوج کہ ہے جس میں ولولہ
وہ مسلماں کہ جس کو خدا کا ہے آسرا — وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

دنیا تمھارے دم سے رہی وقفِ حادثات — ہر غزنوی کے دل میں ہے لیلائے سومنات
اہلِ عجم کو کر کے اسیرِ توہمات — فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

کرنے دوان کو کرتے ہیں جو لوگ اختجاج — لیلو جہاں سے فتنہ و ہنگامہ کا خراج
قدموں میں ڈال دو مرے ہر حکمراں کا تاج — افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

مسلم سے خوئے رسمِ مساوات چھین لو — جو قوم اٹھے اس سے موالات چھین لو
انساں سے وصفِ خلق و مدارات چھین لو — اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو

آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

ہر شاخ، شاخِ تاک ہو، ہر غنچہ بادہ ریز ہر برگ سبز اب نظر آتی ہو تیغ تیز
اختر کی فکر نوے ہو ذروں میں جست و خیز اقبال کی نوا سے ہے لالہ کی آگ تیز

ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

ماہِ تمام

کیا کہوں تجھ سے کہ کیا ہے مرے دل کا عالم
حسرتِ دید سے کھنچ آیا ہے اب آنکھ میں دم
تھا بہت ضبط، مگر کھل ہی گیا اسکا بھرم
حسرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دست بر سینہ، نظر بر لبِ بامے دارم

میں کرم جانتی ہوں مجھ پہ جو ہوتے ہیں ستم
دردِ یکساں ہے مرے دل میں نہ کچھ بیش نہ کم
دن جدائی کا ہو یا ہجر کی شب کیا ہے غم
حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم

آج تو سینہ کے اندر ہے قیامت کا خروش
ہو سکے گا نہ کبھی سازِ تمنا خاموش
بیخودی چاہیے مجھکو نہیں درکار ہے ہوش
نہ بہ امروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بدوش
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم

کاش یوں بھی ہو کہ سامانِ جنوں کا ہو بہم
مجھکو مل جائیں کہیں رفرشناسانِ امم
اور سناؤں انھیں میں بیٹھ کے افسانۂ غم
بادۂ رازم و پیمانہ گسارے جویم
در خراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم

کہدو مل جائے اگر تم کو کوئی اہلِ نظر
یہ صدائے دلِ دیوانہ ہے اس سے کیا ڈر
یہ نوائے حقیقت ہیں نہ کر ان سے حذر
بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر
مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

آج شیرازۂ عالم ہی نہایت برہم
جانِ مسلم پہ ستم ٹوٹ رہے ہیں پیہم
وقت ہی، اخترِ خوشگو کی سنے تو ہمدم
پردہ برگیرم و در پردہ سخن می گویم
تیغ خونریزم و خود را بہ نیامے دارم